اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت (۱۶۵۷۔۱۷۰۷) میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات: ایک تحقیقی جائزہ

منزہ حیات*

Abstract

Aurangzeb was a great ruler, not only because he ruled the whole state, but also because he possessed a prominent status in terms of morals, habits, governmental responsibility and public upbringing. There was no restriction on the Hindus, Christians and Sikhs from performing their religious rites in Hindustan. Even though alcohol was forbidden only to Muslims and others had the freedom to drink. The Churches of Christians were in the Capital and they performed religious duties without interruption. Whatever was done by the Hindus in their temples, there was no absolute interference with their superstitions and worship. Although Aurangzeb gave great importance to his religion, it does not mean that he was prejudiced by religions other than Islam. It tried to erase only the Hindu rituals that were causing disruption to society. As was the attitude adopted in the Hindustan to prevent Sati rituals. Aurangzeb also banned the construction of new temples, but he did not ban renovation of old temples. Banning the construction of new temples is not a religious prejudice because if it were, it would not approve the financing of the old temples. It was only a step to save the royal treasury from further burdens. During the reign of Aurangzeb, many Hindu were appointed on important positions. Although he re-imposed Jizya on Hindus, but many more taxes were abolished below.

Keywords: Aurangzeb’s region, Non-Muslim, Relations, analytical study.

مغل حکمران شاہ جہاں (۱۶۲۷۔۱۶۵۷) کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب، محی الدین عالمگیر کے لقب سے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اورنگ زیب ہندوستان کا سب سے بڑا تیموری حکمران ہے۔ اس کے زمانے میں تیموری سلطنت اپنے نقطہء عروج پر پہنچی۔ اورنگ زیب ۱۶۱۸ کو مالوہ میں پیدا ہوا۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اورنگ زیب کا زیادہ تر وقت کتب بینی میں گزرتا تھا، اورنگ زیب بہت محنتی اور بہادر انسان تھا۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۱۶۵۷ میں جب شاہ جہاں سخت بیمار ہو گیا تو اسی وقت اس کے چاروں بیٹوں میں تخت کی جنگ چھڑ گئی، شاہ جہاں کے پاس اس کی بیماری کے وقت شہزادہ دارا شکوہ تھا۔ دارا شکوہ نے بڑے بیٹے ہونے کی حیثیت سے چونکہ آگے حکومت سنبھالنا تھی اس لیے وہ شاہجہاں کے پاس ہی ہوتا تھا۔ شہزاد شجاع بنگالہ کا، شہزادہ مراد بخش گجرات کا اور شہزادہ اورنگ زیب دکن کا صوبیدار تھا۔ دارا شکوہ ابھی شاہجہاں کی بیماری کی خبر کو چھپانا چاہتا تھا لیکن یہ خبر سب میں عام ہو گئی۔ شہزادہ شجاع نے دارا شکوہ سے مقابلے کی ٹھانی لیکن بنارس کے مقام پر سلیمان شکوہ (دارا شکوہ کا بیٹا) سے شکست کھائی اور واپس ہو گیا۔ گجرات میں جب شہزاد مراد بخش نے شاہجہاں کی بیماری کی خبر سنی تو اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا۔ اورنگزیب نے بھی بادشاہ کی بیماری کا سن کر آگرہ کا رخ کیا لیکن دارا شکوہ اپنی فوج کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ آگرہ سے ایک منزل کے فاصلے پر دونوں لشکروں کا آپس میں سامنا ہوا لیکن دارا شکوہ کو شکست ہوئی۔[1]

لہٰذا اپنے باپ شاہجہاں کے سامنے ہار کی شرمندگی کی وجہ سے نہ گیا بلکہ وہیں سے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ لاہور چلا گیا۔ اورنگ زیب نے دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا اور شاہجہاں کو نظر بند کر دیا۔[2] جب بھی شاہ جہاں نے اسے معرکہ آرائی کے لیے بھیجا وہ سرخرو ہوا۔ بلخ اور بدخشاں کے معرکوں میں اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔[3] ۱۶۵۷ میں اورنگ زیب عالمگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔۱۶۵۸ میں رسم تخت نشینی ادا کی گئی اور دہلی دارالحکومت بنا۔ اورنگزیب نے بادشاہ بننے کے بعد پچاس سال تک حکومت کی۔۱۶۸۱ سے دکّن کی لڑائیوں کا ایک سلسلہ چلا جس میں بیجاپور۱۶۸۶، گولکنڈہ۱۶۸۷ کی فتوحات بھی شامل ہیں جس میں وہ عادل قطب شاہیہ سلطنتوں کو زیر نگین لے آیا مشرق میں تمام بنگال اور مغرب میں پنجاب و افغانستان کے علاوہ کشمیر کے پار تبت تک

---

[1] ذکاءاللہ دہلوی، محمد، مولوی، تاریخ ہندوستان، (لاہور: الکریم مارکیٹ، اردو بازار)،۸: ۴۹۶

[2] دارا شکوہ اجودھن کے حاکم ملک جیون خان کے پاس چلا گیا لیکن اس نے چالاکی سے اسے گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا۔ دارا شکوہ کو مجرم قرار دیتے ہوئے قتل کر دیا گیا اور اس کا بیٹا سپہر شکوہ گرفتار کر کے قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد مراد بخش کو بھی قتل کر دیا گیا۔ (مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی: تاریخ ملت، (لاہور: ادارہ اسلامیات، انارکلی، ۱۹۹۱ء)، ۳: ۱۵۷

[3] ہاشمی فرید آبادی: محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک، (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، ۱۹۸۹ء)، ۵۳۶

ہندوستان میں شامل تھا اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوستان پر اپنا مکمل تسلط قائم کیا اور اس کے دور میں مغلیہ سلطنت انتہائی عروج پر پہنچ گئی اب تک برصغیر کے علاقہ میں اتنی بڑی سلطنت کبھی قائم نہیں ہوئی تھی۔[4]

اورنگ زیب نے آگرہ کی بجائے دہلی کو دارالسلطنت بنایا، وہ برصغیر کا سب سے بڑا بادشاہ صرف اس لحاظ سے نہیں کہ اس کے قبضہ میں سارا ملک تھا بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اخلاق، عادات، حکومتی ذمہ داری اور عوام پروری کے لحاظ سے بھی وہ ایک نمایاں حیثیت کا مالک ہے۔ وہ عدل و انصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھا اس نے پورے ملک میں یہ اعلان کروا رکھا تھا کہ اگر کوئی بادشاہ پر مقدمہ چلانا چاہے تو وہ عدالت میں مقدمہ کر سکتا ہے۔ اوررنگ زیب کی دوسری بڑی اصلاح "محکمہ احتساب" کا قائم کرنا ہے۔ لوگوں کو ناجائز اور برے کاموں سے روکنے کے لیے یہ محکمہ عام طور پر ہر مسلم حکومت میں ہوتا تھا لیکن مغل حکومت میں ایسا کوئی محکمہ نہیں تھا اورنگ زیب نے لوگوں کی اصلاح کے لیے اس محکمہ کو قائم کیا۔ یہ محکمہ جواء، شراب نوشی اور دوسرے برے کاموں کی روک تھام کرتا تھا۔ اورنگ زیب کے دور سے پہلے ادوار میں بادشاہ عام طور پر شاعروں کی سرپرستی کرتے تھے اور شاعر زیادہ تر بادشاہ کے قصیدوں میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے اس قسم کی خوشامدانہ شاعری کی سرپرستی ختم کر دی۔ اس نے درباریوں کو یہ حکم دیا کہ وہ رنگ دار اور ہیرے جواہر جڑے ہوئے لباس نہ پہنا کریں کیونکہ اس سے مردانہ اوصاف چھپ جاتے ہیں۔ اورنگ زیب نے دکن کے شہر اورنگ آباد سے آگرہ تک اور لاہور سے کابل تک سڑکوں کے کنارے پختہ مسافر خانے، بازار، مساجد، کنویں اور حمام بنوائے۔ ہر منزل پر مسافروں کے لیے منزل گاہ بنوائیں جس میں وہ اپنی سواری اور سامان رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ پرانی سراؤں کی مرمت کرانے اور پلوں کے بنوانے کا حکم دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راستے محفوظ ہو گئے اور مسافرں کو آمد و رفت کی سہولیات مل گئیں، اس طرح سے تجارت کو خوب ترقی ہوئی۔ اس کے دور میں غریبوں، معذوروں اور نابیناؤں کے لیے محتاج خانے قائم کیے گئے جن میں انہیں کھانا اور کپڑا حکومت کی طرف سے مہیا کیا جاتا تھا۔

اورنگ زیب فارسی زبان کا بہت بڑا انشاء پرداز تھا، اس نے جو خطوط لکھے ہیں وہ فارسی ادب میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان خطوط کے کئی مجموعے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس نے محل اور مقبروں کی بجائے مساجد بنوائیں، اس دور کی عمارتوں میں سب سے مشہور لاہور کی شاہی مسجد ہے۔ اورنگزیب نے اپنے دربار سے ناچ

---

4 مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی: تاریخ ملت، ۳: ۲۳۷

گانے کی محفلوں کو ختم کرادیا، بادشاہ کو تولنے کی رسم اور جشن نوروز کو موقوف کر دیا۔[5] تعلیم کی طرف بھی اورنگ زیب نے بہت توجہ کی، اس نے پورے ملک میں علماء، فضلاء و طلباء کے لیے وظائف مقرر کیے۔ اورنگ زیب کا ایک بڑا کارنامہ قانون کی تدوین ہے، حکومتی احکام چونکہ اسلامی شریعت پر مبنی ہوتے تھے لہٰذا اورنگ زیب نے قانون کا ایک نیا مجموعہ مرتب کرنے کا حکم دیا جو "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے مشہور ہے۔

فتاویٰ عالمگیری:

ہندوستان میں فقہ کے متعلق اس وقت کئی کتابیں موجود تھیں لیکن کوئی جامع کتاب نہیں ملتی تھی۔ جب اورنگ زیب نے باقاعدہ شرع ملک میں رائج کی تو اس کو احساس ہوا کہ کچھ معاملات میں صحیح شرعی فیصلے پر پہنچنے میں مشکل ہوتی ہے، لہٰذا اس لیے اس نے ہندوستان کے چالیس معروف علماء کی ایک جماعت کو فقہ پر مبنی مسائل منتخب کر کے ایک کتاب تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس جماعت کے صدر شیخ نظام تھے۔ علماء کے لیے وظائف مقرر ہوئے اور آٹھ سال کی محنت کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی۔ جلد اول دوم ارکان مذہب سے متعلق ہیں، جلد سوم میں ایمان، حدود، سرقہ اس قسم کے مسائل ہیں، چالیس صفحے ارتداد کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ جلد چہارم میں زیادہ تر تجارتی معاملات ہیں جیسے شرکت، بیوع، وقف وغیرہ۔

جلد پنجم عدالتی معاملات پر مشتمل ہے، جلد ششم، ہفتم، ہشتم میں قانونی مسائل ہیں جن کا بڑا حصہ فوجداری امور کے متعلق ہے۔ جلد نہم میں ایک باب ذمیوں کے متعلق ہے اور جلد دہم میں ستر سے زائد صفحات کا باب الحیل ہے۔[6] دور عالم گیری میں ابتدائی مکاتب، مدارس میں ہندو اور مسلمان طلباء اکٹھے تعلیم حاصل کرتے تھے اور مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوا کرتی تھی یہاں سے فراغت پانے کے بعد اعلیٰ مدرسوں کی تعلیم ہوتی تھی اور ہندو طلباء اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے۔[7]

---

[5] ثروت صولت: **ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۰۴ء)، ۲: ۲۹۸؛ سعدی سنگروری: **محی الدین اورنگ زیب عالمگیر**، (لاہور: وحید بک سنٹر، ۱۹۹۱ء)، ۱۶۰

[6] شیخ محمد اکرام: **رود کوثر**، (لاہور: ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۹۴ء)، ۴۷۷

[7] مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی: **تاریخ ملت**، ۳: ۷۳۹

مذہبی رواداری :

دور عالمگیری کی مذہبی رواداری کا ذکر کپتان ہملٹن اپنے سفر نامے میں شہر ٹھٹھہ کے حالات کے بیان میں لکھتا ہے کہ ریاست کا مسلم مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے بت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح کرتے ہیں جیسا کہ اگلے زمانوں میں کرتے تھے جبکہ خود بادشاہت بھی ہندوؤں کی تھی۔ وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے ساتھ ستی ہوں۔[8] ہندو اور عیسائی افراد کو ہندوستان میں دور عالمگیر میں اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی حتیٰ کہ شراب خوری صرف مسلمانوں کے لیے منع تھی اوروں کو پینے کی آزادی تھی۔ عیسائیوں کے معبد خانے دار الحکومت میں تھے اور وہ بلا روک ٹوک مذہبی فرائض ادا کرتے تھے۔ ہندو اپنے مندروں میں چاہے جو کریں کوئی پُرسش نہیں کی جاتی تھی ان کے توہمات اور وساوس میں مطلق دخل اندازی نہیں کی جاتی تھی۔[9] ظہیر الدین فاروقی لکھتے ہیں:

‘‘Muslims freely joined in Hindus festivals and took active part in the celebrations. On the festival of Holi, writes Bhimsen, Bahadur Khan (Khan Jahan Bahadur Kotaltash) every day went to the houses of Raja Subhan Singh , Rai Singh Rathor and Raja Anup Singh watched the celebrations and Mir Ahsan and Mir Mohsin, sons of the Khan, were more forward than the Rajputs themselves Aurangzeb’s own attitude is reflected in the fact that during the festival of Dasahra he used to distribute robes of honor among his Hindu nobles (Alamgir namah , 914) Though biased historians have painted the picture of Mughal India in somber hues, sometime we across the flash-light of searching observation that illumines the entire canvas. Commenting on Aurangzeb’s rule, Hamilton writes, The gentiles are better contented to live under the Mogul, s laws than under pagan princes , for the Moguls taxes them gently , and everyone knows what he must pay , but the pagan kings and princes tax at discretion , making their own avarice the standard of equity ; besides there were formerly small Rajahs, that used , upon frivolous occasions, to pick quarrel with one another, and before they could be made friends again , their subjects were forced to open both their veins and purses to gratify

---

[8] شیخ محمد اکرام: **رود کوثر**، ۲۹۶

[9] مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی: **تاریخ ملت**، ۳: ۲۷۷

ambition or folly (A New Account of the East Indies ,p14) As regard Security, writes another Englishman, We trade in all parts of the Moguls Dominions, who is one of the Greatest Princes in the world.[10]

اورنگ زیب عالمگیر نے شہزادوں کی تعلیم کے لیے "تحفۃ الہند" جیسی کتاب ہند و علوم و تہذیب پر لکھوائی جس میں منجملہ دوسرے علوم کے ناٹک، موسیقی اور جنسیات پر تفصیلی بحث ہے۔[11] گو اورنگ زیب عالمگیر مذہب کو بڑی اہمیت دیتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے تعصب برتتا تھا۔ اس نے صرف انہی ہندووانہ رسوم کو مٹانے کی کوشش کی جو معاشرے میں خرابی کا باعث بنتی تھیں۔ جیسا کہ ستی کی رسم کی روک تھام کے لیے دور عالم گیری میں جو رویہ اختیار کیا گیا۔ ایک فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر بارہ سالہ روزنامچہ میں اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے کہ آج کل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے کیونکہ اس ملک کے مسلمان حکمران اس وحشیانہ رسم کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ممانعت کے سلسلے میں کوئی قانون وضع نہیں کیا گیا کیونکہ یہ بات ان کی حکمت عملی کے خلاف ہے کہ وہ کسی مذہبی رسم میں دست اندازی کریں۔ ان کے یہاں مذہبی مراسم کے ادا کرنے کی مکمل آزادی ہے تاہم ہندووانہ رسم ستی بعض رکاوٹیں پیدا کر کے مٹانے کی کوشش کی گئی یہاں تک کہ کوئی عورت اپنے صوبے کے گورنر کی اجازت کے بغیر ستی نہیں ہو سکتی۔ اور صوبے کا گورنر اس وقت تک ستی ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ جب تک اسے اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہیں آئے گی۔ کبھی تو وہ ایسا کرتا کہ ستی ہونے کی خواہش مند عورت کو محل سرا میں بھیج دیتا تا کہ بیگمات بھی اسے اپنے طریقے سے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کریں اور اس کو ستی ہونے سے روکیں۔ رسم ستی کو مٹانے کی تمام کوششوں میں یہ بات سب سے پہلے نظر آتی ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر کی طرف سے ملک کے تمام صوبوں کے حاکموں کو واضح طور پر یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ستی پر آمادہ ہونے والی عورت اور اس کے رشتہ داروں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کریں کہ زندگی ایک قیمتی چیز ہے جسے یوں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے عالمگیر کا ہندوؤں کی رسم ستی کے خلاف حکم دینا اور اسے موقوف کرنا ایک اہم فیصلہ تھا۔[12]

---

[10] Zahiruddin Faruki: Aurangzeb His Life and Times, (Lahore: Al-Rehman Building 65.The Mall, 1977), 213.

[11] سعدی، سنگروری: **محی الدین اورنگ زیب عالمگیر**، ۱۹۴

[12] مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی: **تاریخ ملت**، ۳: ۲۴۷

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں شیوناتھ کے مندر کاشی میں جو براہم کی غلط کاری کا مرکز بنائے گئے تھے وہ گرا دیئے گئے۔ پھر عالمگیر نے اپنے میر منشی رائے چندر بھان کی سفارش سے انہدام مندر کا حکم دینے کے بعد بنارس میں یہ حکم نامہ جاری کیا کہ ہم اپنا حکم منسوخ کرتے ہیں کہ آئندہ کے لیے ممانعت ہے کہ کوئی بت خانہ توڑ کر اس کی بجائے مسجد تعمیر نہ ہو۔

حکم نامہ: ابوالحسن (بنارس کا حاکم) کو جو نوازشات و عنایات کا مستحق ہے ہماری شاہانہ التفات کے امیدوار کو جاننا چاہیے کہ اپنے مراحم ذاتی اور مکارم جبلی کے تقاضے سے مابدولت واقبال کے سبب سے بڑی مصروفیت یہی ہے کہ خلق خوشحال رہے اور رعایا کے تمام طبقوں کی حالت درست رہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ شریعت کے مقدس قانون کے لحاظ سے اگرچہ نئے بت کدوں کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جاسکتی لیکن جو پرانے مندر ہیں وہ ڈھائے بھی نہیں جا سکتے۔ انہی دنوں عدالتی نظام میں یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ بعض عمال ازراہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اس کے نواح کے بعض دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور اس علاقے کے برہمنوں پر جو وہاں کے قدیم بت خانوں کے پروہت ہیں ، تشدد کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ بیچارے پریشان ہوں اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ لہذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اس منشور کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصوبوں پر قائم رہ کر اطمینان کے ساتھ ہماری دولت خداداد کے حق میں مشغول دعا رہیں، اس باب میں تاکید مزید کی جاتی ہے۔ اکبری دور سے بادشاہ کے درشن کی رسم شروع ہوئی تھی، عالمگیر نے ۱۶۶۹ تک اس پر عمل کیا زیادہ اس پر ہندو عمل درآمد کرتے تھے لیکن جب وہ اس درشن کو پوجا کی طرح لینے لگ گئے تو اورنگزیب نے اس رسم کو بند کرا دیا۔[13]

اورنگزیب نے ہندوؤں پر دوبارہ جزیہ لگانے کے علاوہ نئے مندر بنانے پر بھی پابندی عائد کر دی تھی، مگر پرانے مندروں کے لیے اس نے اعانت کے طور سے جاگیریں منظور کر دیں تاکہ غیر مسلموں کو اپنے مذہبی رسومات کی ادائیگی میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ نئے مندروں کی تعمیر پر پابندی عالمگیر کا مذہبی تعصب نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ پرانے مندروں کی مالی اعانت منظور نہ کرتا۔ یہ صرف شاہی خزانے کو مزید بوجھ سے بچانے

---

[13] ثروت صولت: **ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ**، ۲: ۳۰۱

کے لیے ایک قدم تھا۔ اورنگ زیب نے صرف مساجد ہی نہیں بنوائیں بلکہ اسے اس معاملہ میں ہندوؤں کا بھی خیال تھا، اس نے ہندوؤں کے پاٹھ شالاؤں اور کئی عبادت گاہوں کے لیے جاگیریں دے رکھی تھیں۔[14] اورنگ زیب نے مندروں کی تعمیر نو اور ان کی مرمت کی اجازت نہ دینے کی پالیسی پھر سے اختیار کی مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ مہیشورناتھ، بنارس، ملتان اور دوسرے مقامات پر اس نے مندروں کے پروہتوں کو اوقاف کے فرمان بھی جاری کیے تھے جو منظر عام پر آچکے ہیں۔[15]

غیر مسلموں کے سرکاری عہدے:

اورنگ زیب عالمگیر نے عملاً اپنے پیشرو بادشاہوں کے مقابلہ میں جن میں اکبر بھی شامل تھا، ملکی نظم و نسق کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے معقول اور قابل ہندوؤں کو اعلیٰ مناصب پر زیادہ تعداد میں مقرر کرتا تھا۔ اکبر کے دور میں صرف ایک ہندو ہفت ہزاری تھا جبکہ اورنگ زیب کے دور میں تین ہندو ہفت ہزاری منصب پر فائز تھے۔ اکبر کے دور میں ایک بھی ہندو شش ہزاری منصب پر فائز نہیں تھا جبکہ اورنگ زیب کے دور میں چار ہندو اس منصب پر کام کر رہے تھے۔ اکبر کے دور میں دو ہندو پنج ہزاری منصب پر فائز تھے تو اورنگ زیب کے دور میں سولہ ہندو اس منصب پر فائز تھے۔ کم تر درجہ کے ہندو منصب داروں کی تعداد اورنگ زیب کے عہد میں اکبری عہد کے منصب داروں سے کئی گنا زیادہ تھی۔[16] ہو سکتا ہے کہ اورنگ زیب کے دور میں ہندو منصب داروں میں اضافہ سلطنت کے وسیع ہونے کی بنا پر کیا گیا ہو یا فوجی ضروریات کی وجہ سے ہوا ہو، لیکن اس کی نظم و نسق کی پالیسی کو انتخابیاتی نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس کا دارومدار حتمی طور پر انتظامی کارکردگی کے تقاضوں کے مطابق تھا۔

ایک دفعہ کسی مسلمان نے عالمگیر کے حضور ایک درخواست پیش کی جس میں لکھا تھا کہ شاہی ملازمین کو تنخواہ تقسیم کرنے پر دو ہندو افراد مقرر کیے گئے ہیں وہ مناسب نہیں ان کی جگہ مسلمانوں کا تقرر ہونا چاہیے۔ عالمگیر

---

[14] عزیز احمد: برصغیر میں اسلامی کلچر، (مترجم، ڈاکٹر جمیل جالبی)، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، ۱۹۹۷ء) ۱۲۷؛ (بحوالہ مضمون، مطبوعہ جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی از جنن چندر، ۳۶ (۱۹۵۹) نیز حکم چند، سیٹلمنٹ رپورٹ فار دی ڈسٹرکٹ آف ملتان، بحوالہ (انڈیا، بمبئی: راجندر پرشاد، ڈیوائڈڈ، ۱۹۴۶ء)، ۳۷

[15] عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، (مترجم، ڈاکٹر جمیل جالبی)، ۱۵۵؛ (یہ اعداد و شمار ایس آر شرما کی کتاب The Religious Policy of Mughal Emperor سے لیے گئے ہیں، ۱۷۸، ۱۰۰، ۶۸

[16] سعدی سنگروری: **محی الدین اورنگ زیب عالمگیر**، ۱۹۸

نے درخواست کے جواب میں کہا کہ سلطنت کے کاموں میں مذہب اور تعصب کو دخل نہیں دینا چاہیے اگر ایسا کیا جائے تو پھر غیر مسلموں کا ٹھکانہ کہاں ہو گا اور سرکاری ملازمت صرف لیاقت اور قابلیت کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔[17]

اخبار کشمیر لاہور ۱۹۲۹ کی اشاعت کے مطابق راجا برج نرائن رئیس پڈرونہہ صوبہ یوپی نے لکھنؤ میں کشتری جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے باپ دادا مغلوں کے زمانے میں توپ خانے کے افسر رہ چکے تھے جن کا دوہزاری سے پنج ہزاری تک منصب تھا۔ اورنگزیب عالمگیر نے میرے بزرگوں رائے امر ناتھ اور رائے جی کو حسن خدمات کے صلے میں تینتیس گاؤں عطا کیے اور ایک چھوٹی سی ریاست کا راجا بنا دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس ریاست میں برابر ترقی ہوتی رہی حتٰی کہ ڈھائی لاکھ کھشتری ویر ہمارے ساتھ ہو گئے۔ ہمارے رشتہ داروں اور کشتری کماروں کو حسد کے باعث ہماری بڑھتی ہوئی طاقت و ترقی چبھنے لگی، انہوں نے ہمارے اور اورنگزیب کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی مگر اورنگزیب کے آخری عہد تک ہمارے خاندان کے تعلقات مغلیہ حکومت کے ساتھ بدستور قائم رہے۔[18] جودھپور کے راجا جسونت کا عالمگیر کی فوج سے بار بار مقابلہ ہوا اور اس نے ہر بار شکست کھا کر بادشاہ سے معافی چاہی اور بادشاہ نے اسے ہر بار معاف کر دیا۔ جب اسی طرح سے چند مرتبہ یہی عمل ہوتا رہا، یوں بالآخر وہ ۱۶۵۹ میں اورنگ زیب کی طرف ہو گیا۔ اس پر اورنگزیب نے نہ صرف اس کا علاقہ بحال کر دیا بلکہ اسے ہفت ہزاری کا منصب بھی عطا کیا اور صوبہ گجرات کا گورنر بنا دیا۔ اس واقعہ کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ بادشاہ نے یہ اقدام تالیف قلب کے لیے کیے تھے۔ چنانچہ جب جسونت وفات پا گیا تو اس کے بیٹے اجیت سنگھ کو بھی یہی تمام مناصب تفویض کر دیئے گئے۔[19] اورنگ زیب نے ۱۶۷۰ء میں کیشو رام کے مندر کو گرا کر اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کرائی اور اسی سال ایک معزز ہندو جرنیل راجا رام سنگھ کو پنج ہزاری کا منصب عطا کیا اور اس کے بیٹے کو مرصع دستار عطا کی۔[20] اورنگزیب نے اپنے دور حکومت میں ہندوؤں کے لیے ایک علیحدہ عدالتی نظام قائم کیا

---

17 ایضاً، ۱۹۷

18 ایضاً، ۱۹۶

19 عزیز احمد: **برصغیر میں اسلامی کلچر**، (مترجم، ڈاکٹر جمیل جالبی)، ۱۵۵

20 ریحانہ پروین: **اورنگ زیب کا نظام عدالت**، (لاہور: بورڈ آف اسلامک سٹڈیز، جامعہ پنجاب، ۱۹۸۷ء)، ۲۲۵

جو ان کے اپنے قوانین کے مطابق تھا۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کی بجائے پنڈت مقرر تھے جو مقدمات کا فیصلہ اپنے قانون کے مطابق کرتے تھے۔[21]

کلانور کے پاس ایک گاؤں واقع ہے جس کا نام دیپال والی ہے، وہاں ایک بزرگ شاہ شمس الدین اوریائی رہا کرتے تھے جو بڑے ولی اللہ تھے۔ ہندو مسلمان دونوں ان کے مرید تھے۔ دیپال والی کا ایک ہندو آپ سے بڑی عقیدت رکھتا اور خدمت میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا۔ جب شاہ صاحب انتقال کر گئے تو دیپال والی کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر اس ہندو باسی کو شاہ صاحب کے مزار کا مجاور بنا دیا۔ شاہ صاحب کے مزار پر چونکہ ہندو مسلم دونوں بکثرت آتے جاتے تھے اس لیے عالمگیر کے زمانے میں چند مسلمانوں نے اس کے خلاف دعویٰ کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اس مزار کا مجاور کوئی مسلمان ہونا چاہیے لیکن عالمگیر نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے ہندو ہی کو بدستور قائم رکھا۔[22] ملتان میں تو تلائی کے نام سے ایک مشہور مندر تھا جس کے لیے عالمگیر نے ایک سو روپیہ سالانہ کی جاگیر مقرر کی، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے تک برابر جاری رہی۔ اسی طرح ایک اور گاؤں مصر کہ ضلع سیتاپور کے مندر کو بھی کئی گاؤں جاگیر میں دیئے، دہرہ دون کے گوردوارے کو بھی جاگیر دی۔[23] اورنگ زیب ہندو تہواروں خصوصاً دسہرہ[24] وغیرہ میں خاص شرکت کیا کرتا تھا اور اس دن دربار میں ہندو امراء کو تحائف بھی دیئے جاتے تھے، درباری مؤرخ اسے ہندوؤں کی عید کہتے۔[25]

عالمگیر نے قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر مذہب و ملت کے فرق کے بغیر راجا رتن سنگھ کے بڑے بیٹے کو مالوہ کی ریاست (سنیاڑ) عطا کی۔ رائے سنگھ راہور اور گناتھ کو راجا کا خطاب، خلعت، ایک لاکھ روپیہ نقد اور جواہرات دیئے۔ سبھاجی کو جو سیواجی کا بیٹا تھا ایک بلند منصب عطا کیا۔ راجا جسونت سنگھ، راجا جے سنگھ، کنور لعل سنگھ راگھوجی

---

[21] سعدی سنگروری: **محی الدین اورنگ زیب عالمگیر**، ۱۹۸

[22] ایضاً

[23] شبلی نعمانی: **اورنگ زیب پر ایک نظر**، (کراچی: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۰ء)، ۱۸۴

[24] ہندوؤں کا یہ تہوار اسوج کی دسویں تاریخ کو راجہ رام چندر جی کے راون پر فتح پانے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ (فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۲۰۱۰ء)، ۶۲۸۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ قدیم دور میں یہ موسمی تہوار تھا کیونکہ اس روز رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں، موسم اعتدال پر آ جاتا ہے۔ بعد میں اس تہوار پر مذہبی رنگ چڑھ گیا۔

[25] سعدی سنگروری: **محی الدین اورنگ زیب عالمگیر**، ۱۹۷

اور بشن سنگھ وغیرہ کو مغلیہ افواج کے جنرل، کرنل اور صوبیدار بنا دیا۔[26] پہاڑی ریاستیں جو مغلیہ حکومت کے ماتحت تھیں، وہ آئے دن ایک سکھ گرو گوبند سنگھ کے تشدّد کا شکار ہوتی رہتی تھیں۔ سب راجاؤں نے مل کر عالمگیر سے درخواست کی کہ انہیں گرو گوبند سنگھ کے ظلم سے محفوظ کیا جائے۔ عالمگیر نے لاہور کے گورنر نواب زجرت خان اور سرہند کے گورنر شمس الدین خان کو حکم دیا کہ وہ راجاؤں کی اس سلسلے میں امداد کریں۔ مغلیہ فوج اور گرو گوبند سنگھ کے لشکر کے درمیان آنند پور کے مقام پر معرکہ آرائی ہوئی، آخر کار گرو گوبند سنگھ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ جب مغل فوج نے سات مہینے تک قلعے کا محاصرہ کیے رکھا تو سکھ تنگ آ کر قلعے سے باہر نکلنے لگے۔ گرو نے جب اپنے لشکر کا یہ حال دیکھا تو خود بھی وہاں سے نکل کھڑا ہوا، جب مسلسل بھاگتے اور چھپتے رہنے سے گرو گوبند سنگھ تنگ آ گیا تو اس نے اورنگزیب کی خدمت میں ایک منظوم فارسی درخواست پیش کی اور کہا میں اب جنگ و جدل سے منہ موڑتا ہوں اور خدا کی عبادت میں زندگی بسر کرنے کا خواہش مند ہوں۔ مگر مغلیہ فوجیں میری تلاش میں ہیں اور اب میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اورنگزیب نے اس درخواست کے جواب میں یہ لکھ کر بھیجا کہ اگر آپ واقعی عبادت میں مشغول ہونا چاہتے ہیں تو آپ اطمینان رکھیں اب آپ سے کوئی مزاحمت نہیں کرے گا، آپ کو ختیار ہے جہاں چاہیں رہیں میں نے تمام حاکموں اور گورنروں کے نام فرمان جاری کر دیا ہے کہ اب وہ آپ سے ہرگز مزاحم نہ ہوں۔[27] بعد میں اپنی وفات سے قبل گرو گوبند سکھ جی مغل فوج میں ایک عہدے پر مقرر کیے گئے اور جب انہیں کسی پٹھان نے ذاتی دشمنی کی بنیاد پر زخمی کیا تو اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ نے اپنا خاص معالج ان کے علاج کے لیے بھیجا۔[28] سیواجی کا بیٹا سمبھاجی جب قتل ہو گیا تو اس کے سات برس کے بچّے ساہو جی کو اورنگزیب نے اپنی تربیت میں لے لیا۔ اسے راجا کا خطاب اور ہفت ہزاری کا منصب عطا کیا۔ اس کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لیے اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا اس کا خیمہ ہمیشہ اپنے خیمے کے پاس لگواتا۔ اورنگزیب نے ساہو جی کے چھوٹے بھائیوں مدن سنگھ اور اود سنگھ کو بھی منصب خلعت اور انعام و اکرام سے نوازا۔ جب ساہو جی بالغ ہو گیا تو عالمگیر نے اس کی شادی بہادر جی مرہٹہ کی بیٹی سے کر دی اور نگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد جب ساہو جی گدی نشین ہوا تو وہ سب

---

[26] کنہیالال، **رائے بہادر: تاریخ پنجاب**، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار)، ۴۵

[27] شیخ محمد اکرام: **رود کوثر**، ۴۶۷

[28] سعدی سنگروری: **محی الدین اورنگ زیب عالمگیر**، ۱۹۷

سے پہلے اپنے محسن عالمگیر کے مزار کی زیارت کے لیے گیا۔[29] راجپوتوں نے بھی مسلمانوں کا خیال رکھا جیسا کہ عالمگیر کے بیٹے اکبر (ثانی) نے جب راجپوتوں کے ساتھ بغاوت کر کے ایران بھاگ کر پناہ لی تو دیوی داس جیسے متعصب اور مغل دشمن جانباز نے اس کی بیٹی کی راجپوتانہ کے غیر متمدن بیابان میں ایسی اسلامی تربیت کی کہ جب وہ عالمگیر کے سامنے بڑی عمر میں پیش ہوئی تو وہ قرآن کی حافظہ، عربی اور فارسی کی عالمہ، اور اپنے تمام مذہبی علوم سے کماحقہ آشنا تھی۔[30] ایسر داس، قوم ناگر پٹن کا رہنے والا تھا۔ وہ بچپن سے تیس سال کی عمر تک قاضی شیخ الاسلام ابن عبد الوہاب (م ۱۶۸۵) کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ تکمیل علم کے بعد ایسر داس شجاعت خان حاکم گجرات کے ذریعے جودھپور کا امین مقرر ہوا۔ اس نے میدان جنگ میں بھی اپنے جوہر دکھائے بادشاہ کی طرف سے اسے میرٹھ میں جاگیر دی گئی اور دوبست و نیم صدی افسر مقرر ہوا۔ دور عالمگیری کو امن وامان کے ایّام میں اس نے اپنی ایک تصنیف فتوحات عالمگیری کے نام سے چھوڑی ہے۔[31]

بھیم سین کایستھ، کے باپ کا نام رگھو نندن داس تھا۔ وہ تیئیس جلوس شاہجہانی ۱۶۴۹ میں برہان پور دکّن میں پیدا ہوا۔ اس کا ایک عزیز بھگند اس عالمگیر کے دربار میں دیوان[32] تھا اور اسے دیانت رائے کا خطاب ملا ہوا تھا۔ بھیم سین نے بندیلہ کے حاکم رائے دلپت کی سرکار میں نوکری کی، رائے دلپت دکّن کی لڑائیوں میں نہایت کار آمد سردار ثابت ہوا تھا۔ عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ تین ہزار فوج کا افسر بنا دیا۔ بھیم سین گو کایستھ[33] تھا لیکن قلعہ نالڈرک کی قلعہ داری اس نے نہایت خوبی سے کی۔ ۱۷۰۹ میں نوکری سے مستعفی ہو کر اپنے وطن میں ہی رہنے لگا اور دلکشا کے نام سے عہد عالمگیری کی تاریخ لکھی جو اب تک موجود ہے۔[34] منشی ہیرامن گردھر داس معتمد خان

---

[29] صباح الدین عبدالرحمٰن: **مقالات سلیمان**، سید سلیمان ندوی کے تاریخی مضامین کا مجموعہ، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۸۹ء)، ۱: ۳۶

[30] ایضاً

[31] صباح الدین عبدالرحمٰن: ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، (اسلام آباد: عباد پبلیکشنز، ۲۰۱۰ء)، ۳: ۱۲۶

[32] بادشاہ کا وزیر، شاہی دربار کا ایوان، دفتر کچہری، شان الحق حقی: فرہنگ تلفظ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء)۵۳۸

[33] ایک ہندو ذات کا نام جس کا کام نوشت وخوانداور منشی گری ہے۔ فیروز الدین، مولوی، **فیروز اللغات**، ۹۸۶

[34] صباح الدین عبدالرحمٰن: **مقالات سلیمان**، سید سلیمان ندوی کے تاریخی مضامین کا مجموعہ، ۱: ۳۹

کے منشی تھے۔ معتمد خان نے بھائیوں کی لڑائی میں عالم گیر کا ساتھ دیا تھا۔ امن و امان کے بعد ۱۶۶۱ میں وہ گوالیار کا حاکم مقرر ہوا۔ منشی ہیرا من نے اس تقریب سے اسی زمانہ میں گوالیار نامہ ایک کتاب لکھی جس میں راجہ بکرماجیت کے ۳۳۲سال بعد سے لے کر معتمد خان کی حکومت کے زمانہ تک گوالیار کی تاریخ مرتّب کی۔ لعل رام کے باپ کا نام دولہ رام اور دادا کا نام رائے کنجن تھا۔ رائے کنجن عالمگیر کے دور حکومت میں کسی ممتاز عہدہ پر فائز تھا نیز اسے رائے کا خطاب ملا ہوا تھا۔ دولہ رام بھی رائے کے خطاب سے مخاطب اور عہدیداران شاہی میں داخل تھا۔ خود لعل رام محمد شاہ کی سرکار میں ملازم تھا۔ ۱۷۳۶ میں اس نے تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھ کر دربار شاہی میں پیش کی۔ خوشحال چند عالمگیر کے شاہی دربار کا دیوان تھا۔ ۱۷۵۱ اس کی تاریخ وفات ہے اس کی وفات کے بعد اس کی جگہ اس کے بیٹے کو ملی۔ تاریخ نادر الزمانی خوشحال چند کی بہترین تصنیف ہے۔[35]

لچھمی نرائن شفیق، لاہور کا رہنے والا تھا۔ اس کا دادا عالمگیر کے ساتھ دکّن کی مہم پر گیا اور اورنگ آباد دکّن میں ہی رہائش اختیار کر لی۔ اس کا باپ رائے منشارام، سراج الدین آرزو کا شاگرد تھا اور نواب آصف جاہ کا دیوان تھا۔ لچھمی نرائن شفیق ان ہندو فضلاء میں سے ہے جن کی قابلیت اور علم پر زمانہ فخر کر سکتا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی کا شاگرد اور عالیجاہ بہادر کے ملازمین میں داخل تھا۔ تاریخ کا ذوق اپنے استاد سے پایا چنانچہ اس فن میں اس کی بہت سی تالیفات ہیں۔ گلِ رعنا اور شام غریباں دو شعراء کے تذکرے ہیں۔ ۱۷۹۰ میں حقیقتہائے ہندوستان تحریر کی۔ خلاصۃ الہند اور تواریخ آصفی بھی اس کی تصنیفات ہیں، مگر سب سے بہتر تصنیف عمدۃ الغنائم ہے، جس میں اس نے مرہٹوں کی تاریخ لکھی ہے۔ وامق کھتری امرائے عالمگیری میں سے ایک کا وکیل (ایجنٹ) تھا۔ اس کی نظم و نثر اور ادب فارسی کی یہ شہرت تھی کہ شہنشاہ عالمگیر جو خود ایک بلند پایہ ادیب تھا، اسے داد دیتا رہتا تھا۔ شیورام کایستھ اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ نواب اسد خان وزیر عالمگیر کا متصدی تھا۔ یہ مرزا بیدل کا شاگرد تھا مرزا کی چہار عنصر کا جواب گلگشت بہار ارم کے نام سے اس نے لکھا تھا، اس نے ۱۷۵۲ میں وفات پائی۔[36]

ہندوستان میں متعدد مسلمان سلاطین نے رصد خانے قائم کرنا چاہے۔ فیروز شاہ بہمنی اور شاہجہاں نے اس کام کو شروع کرایا لیکن مختلف اسباب کی بنا پر ادھورا چھوڑنا پڑا۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں یہ کام کچھ آگے بڑھا جس میں راجہ جے سنگھ کا نمایاں کردار رہا۔ جے سنگھ سوائی کچھواہا امبیر کا راجا تھا۔ اورنگزیب عالمگیر اور اس کے

---

[35] ایضاً: ۶۰،۴۳

[36] صباح الدین عبدالرحمٰن: **مقالات سلیمان**، سید سلیمان ندوی کے تاریخی مضامین کا مجموعہ، ا: ۳۶

جانشینوں کے دور میں ایک فوجی افسر کی حیثیت سے نمایاں عزت حاصل کی۔ محمد شاہ کے دور میں وہ آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر ہوا۔ اس نے اپنی ریاست کا نیا مرکز جے پور کے نام سے آباد کیا اور اب اسی نام سے یہ پوری ریاست مشہور ہے۔ راجہ جے سنگھ عربی علوم وفنون میں اچھی دستگاہ رکھتا تھا اور علم ہیئت سے اسے خاص شغف تھا۔ راجہ نے عربی زبان کی مستند علم ہیئت کی کتابوں کا ہندی ترجمہ کرایا اور اس پر ہزاروں روپے صرف کیے۔ سکھراج کا باپ اسد خان وزیر عالمگیر کی سرکار میں تھا۔ سکھراج دیگر علوم عقلیہ کے علاوہ فن طب میں بہت ماہر تھا وہ سید علی حسین خان کی سرکار میں پانصدی منصب پر فائز تھا۔[37] محمد اطہر علی کی کتاب مغل امراء میں جدول کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ہندو اورنگ زیب عالم گیر کے دور حکومت میں کئی مناصب پر فائز تھے۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ اورنگ زیب کے پہلے دور میں ہندوؤں کی حالت میں معمولی تنزلی ہوئی لیکن آخری انیتس سالوں میں نمایاں اضافہ ہوا، نتیجتاً اس دور میں جتنے ہندو ملازمت میں تھے اتنے شاہ جہاں یا کسی اور سابقہ دور میں نہیں رہے۔ یہ جدول اس الزام کا بہت عمدہ قانونی جواب فراہم کرتے ہیں کہ اورنگ زیب نے ہندو منصب داروں کے خلاف بھید بھاؤ سے کام لیا۔[38]

جزیہ: عالمگیر کے دور میں جہاں اور بہت سی اصلاحات ہوئیں جیسے مسکرات (نشہ آور اشیاء) کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا، شرعی وکیل ممالک محروسہ میں قائم کیے گئے وغیرہ وغیرہ وہیں پر زکوۃ کی باضابطہ وصولی کا انتظام کیا گیا اور غیر مسلم رعایا پر دوبارہ جزیہ لگایا گیا جو اکبر کے زمانے سے ختم کر دیا گیا تھا۔ جزیہ صرف اہل استطاعت مردوں پر لگایا گیا تھا۔ دیوانی یا فوج کے سرکاری ملازم، مذہبی پیشوا پروہت وغیرہ، مذہبی اوقاف یا معابد کے خدمت گار یہ سب جزیہ سے مبرا قرار دیئے گئے تھے۔ صرف خوشحال اور کاروباری لوگ ہی اصل میں تو جزیہ دینے کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے۔ متوسط طبقہ بھی چونکہ اس (جزیہ دینے کی مد میں) میں شامل تھا اس لیے اس کے تین درجے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ سب سے کم ساڑھے تین روپئے اور سب سے زیادہ ساڑھے تیرہ روپئے رائج الوقت فی کس سالانہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس محصول کی مجموعی مقدار کبھی ایک کروڑ تک نہیں پہنچی بہر حال جزیہ ۱۶۷۲ سے دوبارہ لاگو کر دیا گیا تھا۔[39]

---

[37] ایضاً، ا: ۳۴۹

[38] اطہر علی، محمد، مغل امراء، مترجم امین الدین، (لاہور: فیکٹ پبلی کیشنز، س۔ن)، ۳۹

[39] ہاشمی فرید آبادی: **محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک**، ۵۳۶

گو عالمگیر نے ہندوؤں پر دوبارہ جزیہ عائد کیا لیکن اس ذیل میں اور بہت سے ٹیکس ختم کر دیئے تھے۔[40] یہ کہنا کہ یہ ایک ٹول ٹیکس تھا جس کو ادا کرنا ہر ہندو پر لازم تھا غلط ہے۔ چودہ سال تک کے تمام ہندو لڑکے اور لڑکیاں جزیہ سے مستثنٰی تھے۔ البتہ ایسے پجاریوں کو ضرور جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جن کے پاس وقف وغیرہ کی کثیر آمدن ہوا کرتی تھی۔ سرکاری ملازمین سے چاہے وہ کسی محکمے سے تعلق رکھتے ہوں جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ جزیہ صرف ایسے برسرِ روزگار ہندوؤں وغیرہ سے لیا جاتا تھا جو تندرست اور جوان ہوتے تھے۔ جزیہ کی رقم بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی، ایک امیر آدمی کو سال میں زیادہ سے زیادہ تیرہ روپے چار آنے ادا کرنا پڑتے تھے۔ جبکہ مسلمانوں کو اپنی بچت میں سے ڈھائی فی صد رقم ادا کرنا پڑتی تھی جو جزیہ کی رقم کے مقابلے میں زیادہ ہوتی تھی۔ راہداری کو جو کھانے پینے کی چیزوں پر دس فی صد ٹیکس تھا، عالمگیر نے ختم کر دیا۔ اس سے مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں کو زیادہ فائدہ پہنچا۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے ٹیکس معاف کر دیئے جو صرف ہندوؤں کو دینے پڑتے تھے۔ جیسا کہ ہر وہ ہندو جو کسی مقدس مقام پر غسل کرتا تھا سوا چھ روپے ٹیکس یا معاوضہ ادا کرتا تھا۔ اسی طرح ہر ہندو لاش پر بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا جسے گنگا میں بہایا جاتا تھا۔ اس سے یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے کہ عالمگیر اپنی ہندو رعایا سے تعصب برتتا تھا اور ان کے آرام کا خیال نہیں رکھتا تھا۔[41]

ہندوستان کی اسلامی سلطنت میں غیر مسلم ذمی عوام سے جزیہ کے نام سے جو ٹیکس وصول ہوتا تھا، اس کی بابت انگریز اور ہندو مصنفین کی طرف سے کئی اعتراضات اُٹھائے گئے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا ٹیکس نہیں تھا جو ظلم سے لگایا جاتا تھا اور کبھی معاف نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ایسے لوگوں سے جو غریب ہوتے تھے، معاف کر دیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے عام کاشتکاروں سے جو زیادہ غریب طبقہ ہے، اکثر معاف کر دیا جاتا تھا۔ ایک قلمی کتاب نگارنامہ جو جامعہ ملیہ دہلی کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے مصنف کا نام منشی لعل چند ہے اور جو عالمگیر کے زمانہ میں لکھی گئی ہے، اس کتاب کی تالیف کا مقصد، دفاتر کے ملازمین کو سرکاری فرامین کی تحریر کے نمونوں کی تعلیم ہے۔ اس میں ایک تحریر

---

40 مثلاً جنگی، پاندری (مکان کا ٹیکس)، سرشاری، برشاری، برگدی، طوفان، جرمانہ، شکرانہ وغیرہ یہ سب ٹیکس اس سے پہلے دور میں لیے جاتے تھے اور ان کی آمدنی کروڑوں میں تھی لیکن اورنگ زیب نے انہیں بہ یک قلم موقوف کر دیئے اتنی بڑی رقم کی تلافی کے لیے ضروری تھا کہ اسلامی تعلیم کے مطابق عشر، زکوٰۃ اور جزیہ کے احکام نافذ کیے جائیں چنانچہ اورنگ زیب نے یہ احکام نافذ کر دیئے۔ عشرت حسین بصری: **اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق**، (ملتان: الماس سنز پبلشرز سادات کالونی، بوسن روڈ ۲۰۱۰ء)، ۲۸۱

41 سعدی سنگروری: **محی الدین اورنگ زیب عالمگیر**، ۱۶۱

کاشتکاروں کی معافی جزیہ کی سند کی نقل ہے، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کس طرح لکھی جاتی تھی اور رعایا کو دی جاتی تھی۔ اس کتاب میں لکھا ہے: ” کاشتکاروں کی معافی جزیہ کی سند فلاں دیوان بالقابہ محفوظ و سلامت رہیں چونکہ اس وقت بادشاہ کو اطلاع دی گئی ہے کہ ان زمینداروں سے جن کی کمائی ان کی اور ان کے اہل و عیال کی گزر اوقات سے زیادہ نہیں ہوتی، اصول شریعت کے مطابق جزیہ نہیں لینا چاہیے۔ اس لیے غریب عوام سے جو زراعت پیشہ ہیں اور ان کی معاش بیج اور بیل کا بہم پہنچانا سب پر فرض ہے۔ جزیہ مانگنا ان کی پریشان حالی اور انتشار کا سبب ہوگا۔ اگر اس گروہ سے جزیہ نہ لینے کا حکم صریح حسب حکم شریعت صادر کیا جائے تو وہ فارغ البالی کے ساتھ اپنے پیشہ میں جو ملک کی آبادی اور عوام کے امن و امان کی وجہ ہے، مشغول رہیں گے۔ اور پولیس کے سوار اور تحصیل کے پیادوں سے اور جزیہ سے نجات پائیں گے۔ اس لیے بادشاہ کا یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ شریعت کے مطابق کاشتکاروں سے جزیہ لینے کے لیے مزاحمت نہ کریں اور تعلق داروں، چودھریوں اور قانون گوؤں، طرف داروں اہل پیشہ اور قصبات و دیہات کے دوسرے لوگوں سے شریعت کے مطابق جزیہ طلب کریں۔ چنانچہ اس کے مطابق ایک یادداشت مرتب کی گئی اور اس کی تفصیل اس ضمن میں لکھ دی گئی۔ اس لیے لکھا جاتا ہے کہ آپ اپنے دیوانی کے تعلقہ میں اس واجب العمل فرمان پر عمل کریں اور کاشتکاروں سے جزیہ لینے کے لیے تعرّض نہ کریں اور انہیں معاف سمجھیں۔“[42]

اکبر کے جانشینوں میں جہانگیر اور شاہجہاں نے بھی اکبری نظام کو قبول کیا۔ اور اس کی پیروی کی یہ دونوں کوئی غیر معمولی قابلیت کے حکمران نہ تھے پھر بھی ان کے عہد حکومت کامیاب رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اکبر ہی کی پیروی کی اور جو دستور وہ بنا گیا تھا اسی پر چلتے رہے۔ ان کے بعد اورنگزیب آیا یہ ان دونوں سے زیادہ قابل تھا لیکن طبیعت کے لحاظ سے بالکل مختلف تھا، اس نے اکبر کے راستہ کو پامال سمجھ کر چھوڑ دیا اور اس کی روش سے بالکل ہٹ گیا اس کے اس رویہ سے اکبر کے کام کو نقصان تو ضرور پہنچا لیکن وہ مٹا نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اورنگزیب کی اس پالیسی کے اور باوجود ان کمزور بادشاہوں کے جو اس کے بعد تخت نشین ہوئے ہندوستانیوں کے دلوں میں اکبری نظام کی وہی عزت رہی لیکن یہ احساس شمالی اور وسطی ہند تک محدود رہا، جنوب اور مغرب میں نہیں پھیلا یہی وجہ تھی کہ اس پر جو حملہ ہوا وہ مغرب کی طرف سے ہوا۔[43]

---

42 صباح الدین عبدالرحمٰن: **مقالات سلیمان**، سید سلیمان ندوی کے تاریخی مضامین کا مجموعہ، ۱: ۳۵۰

43 جواہر لال نہرو: **تلاش ہند**، (لاہور: تخلیقات، ٹیمپل روڈ، ۱۹۹۲ء)، ۳۴۸

مغلوں کی یہ ایک خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے مذہبوں اور قوموں میں ہمیشہ رواداری برتی ہے اور کسی مخصوص عقیدہ کی ترقی کے لیے حکومتی اختیارات سے کبھی کام نہیں لیامغلیہ دور حکومت میں عام مذہبی رواداری کے علاوہ اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ فوج کی آمدورفت سے کسانوں کی فصل خراب نہ ہو، قحط کے زمانہ میں کسانوں کا لگان معاف کر دیا جاتا، بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا تھااور اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ عوام کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔[44] اس کے علاوہ مغلیہ دور میں عوام کے ہر گروہ کے اپنے محلے، بسا اوقات چار دیواری، اپنے بازار ہوا کرتے۔ ہر محلہ میں ایک میر محلہ کوتوال کی طرف سے مقرر ہوتا جو ہر آنے جانے والے اور بالخصوص اجنبی مسافروں پر نظر رکھتا اور کوتوال شہر کے سامنے اپنے محلہ کی خبر گیری کے لیے جوابدہ ہوتا۔ ان محلوں کی مساجد، منادر، اور بازاروں کے علاوہ شہر میں مرکزی بازار، سڑکیں، فوجی ورزش کے میدان، ایک جامع مسجد، مدرسے، اور کہیں کہیں شاہی شکار گاہیں بھی تھیں۔ محلوں کی تقسیم مذہبی بناہر نہیں بلکہ سماجی منصب کے مطابق ہوتی۔ چنانچہ مغل، راجپوت، پٹھان اور ایرانیوں کی حویلیاں اور مسجد، مندر آپ کو بسا اوقات ساتھ ساتھ اور ملے جلے نظر آئیں گے شہروں سے کچھ دور صوفیاء کی خانقاہیں اور درویشوں کے مزار یا سادھو مہاتماؤں کے مٹھ[45] اور کٹیاں ملیں گی۔[46]

بعض حلقوں میں یہ بات پھیلائی گئی کہ اورنگ زیب کے طرز عمل سے ہندو برگشتہ ہو گئے تھے اور اس سے مغلیہ حکومت کو زوال ہوا۔ اس سے متعلق ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے نزدیک اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی اس کی ناکامی کی وجہ بنی۔ لیکن یہ خیال غلط ہے ہندوؤں کی بغاوتیں ناکام رہیں اور ان کا کوئی مذہبی اور سیاسی مقصد نہ تھا۔ اورنگ زیب نے انہیں ہندوؤں ہی کی مدد سے فرو کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرہٹوں کے خلاف جنگ مغلیہ سلطنت کے لیے ایک بار عظیم ثابت ہوئی لیکن ان کی بغاوت نہ تو ملکی تھی اور نہ ہی مذہبی۔ وہ صرف ایک قبیلہ کی بغاوت تھی اور دوسرے قبائل کی بغاوت سے بہت مختلف نہ تھی۔ راجپوت بندیلے اور شیواجی کے اپنے رشتہ دار اورنگ زیب کی خاطر شیواجی اور اس کے جانشینوں کے خلاف لڑے اور پھر مرہٹوں نے ہندوؤں

---

[44] مبارک علی، ڈاکٹر، ترتیب و تعارف ، **تاریخ اور مؤرخ**، ڈاکٹر کے ایم اشرف کی تحریریں، (لاہور: فکشن ہاؤس مزنگ روڈ، ۲۰۰۲ء)، ۶۳

[45] جوگیوں، سادھوؤں کے مل کر رہنے کا ٹھکانا، کٹیا، دھرم سالہ، شان الحق حقی: **فرہنگ تلفظ**، ۸۴۰

[46] مبارک علی، ڈاکٹر، ترتیب و تعارف، **تاریخ اور مؤرخ**، ڈاکٹر کے ایم اشرف کی تحریریں، ۶۵

کے خلاف بھی حملے کیے اور ان کے لشکروں میں مسلمان موجود تھے۔[47] سر پی۔ سی رائے نے بھی اپنی ایک تقریر میں ایک اہم حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ جو لوگ شیوا جی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مقصد ہندو دھرم کا احیاء تھا اور وہ مغلوں کے خلاف قومی جدوجہد کا راہنما تھا، وہ غلطی پر ہیں۔[48] مرہٹہ تاریخ کے ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ شیوا جی کا دادا مسلمان پیروں کا بڑا معتقد تھا اور وہ حضرت شاہ شریف کا معتقد تھا، جو احمد نگر میں مدفون ہیں اپنے مرشد کے نام پر اس نے اپنے بیٹوں کے نام شاہ جی اور شریف جی رکھے جو حقیقت میں مسلمانوں کے نام ہیں۔[49]
اورنگ زیب کے مخالفین میں صرف مرہٹے اور سکھ نہ تھے بلکہ اسے افغان قبائل کا مقابلہ بھی کرنا پڑا۔ افغان بغاوت کا راہنما مشہور پشتو شاعر خوشحال خان خٹک تھا۔ اس کے اشعار میں جوش آزادی، افغانوں کی فوقیت اور مغلوں کی مخالفت صاف دکھائی دیتی ہے۔ وہ قبیلہ خٹک کا سردار تھا شاہ جہاں نے اس کا حق سرداری قبول کر لیا اور شاہ جہاں کا ذکر اس نے ہمیشہ تعریفی انداز میں کیا مگر اورنگ زیب نے کچھ شکوک کی بنیاد پر اسے گرفتار کر کے رنتھمبور کے قلعہ میں کئی سال قید رکھا۔ اس قید نے خوشحال خان کو ہمیشہ کے لیے عالم گیر بلکہ تمام مغلوں کا دشمن بنا دیا اور جب اسے وفاداری کے وعدہ پر رہائی ملی تو اس نے اپنے وعدہ کے برخلاف جب سرحد پر آفریدیوں نے بغاوت کی تو اپنے اشعار سے بغاوت کی تائید کی۔[50]

مغلیہ دور کے صوفی دانش وروں میں میاں محمد میر (م ۱۶۳۵) بڑے اہم مقام پر فائز ہیں۔ پورے ہندوستان میں ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی اور ہندوستان کے فکری اور صوفیانہ حلقوں میں انہیں عزت و احترام حاصل تھا۔ آپ فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ مغل شہزادہ داراشکوہ کو آپ سے خاص انسیت تھی اور وہ میاں محمد میر کے مرید اور جانشین ملا شاہ بدخشانی کا مرید تھا۔ ویسے اس نے براہ راست حضرت میاں میر سے بھی کسب فیض کیا تھا۔ شہزادہ داراشکوہ نے آپ کے احوال و فضائل کے موضوع پر ایک مکمل کتاب سکینۃ الاولیاء تحریر کی ہے۔ داراشکوہ کے علاوہ اورنگ زیب عالمگیر بھی شہزادگی کے زمانہ میں میاں محمد میر کا عقیدت مند تھا۔ آپ کے مداحوں میں صرف شاہی خاندان کے افراد ہی شامل نہ تھے اور نہ ہی ان کی بزرگی کی شہرت صرف مسلمانوں تک ہی

---

47 شیخ محمد اکرام: **رود کوثر**، ۴۶۷

48 ایضاً

49 عزیز احمد: **برصغیر میں اسلامی کلچر**، مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی، ۲۳۷

50 شیخ محمد اکرام: **رود کوثر**، ۴۶۸

محدود تھی بلکہ ہندوؤں اور سکھوں کو بھی ان سے بہت عقیدت تھی۔ خاص طور پر گورو ارجن سنگھ ان کے بڑے مداح تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں اور سکھوں کے باہمی تعلقات کا ایک منہ بولتا ثبوت یہ تھا کہ جب گورو ارجن نے امر تسر میں دربار صاحب کی عمارت (ہری مندر) تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو لاہور آکر میاں محمد میر سے درخواست کی کہ وہ اس عمارت کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھیں۔ آپ نے اس دعوت کو بخوشی قبول کیا۔ یہ بین المذاہبی احترام انہیں ان کے ترکیبی رویّے اور انسان دوستی کی بنیاد پر حاصل ہوا تھا۔[51]

الغرض ہندوستان میں ہزار سال مسلمانوں کی حکومت رہی لیکن ہندوؤں کو اپنی رعایا سمجھ کر ان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ دہلی جو آٹھ سو سال مسلمانوں کا دارالحکومت رہا، اس شہر میں مسلمان بارہ فی صد تھے، حیدرآباد دکن میں جہاں پانچ سو سال مسلمانوں کی حکمرانی رہی وہاں مسلمانوں کی تعداد پندرہ فی صد تھی۔ موجودہ دور میں اورنگزیب عالمگیر کے عہد جیسی مذہبی و سماجی رواداری کی ضرورت ہے تاکہ اس دور کے تسلسل میں آج کا برصغیر اور جنوبی ایشیا کے تمام ممالک اپنے باہمی تعلقات کا درست راستہ اختیار کر سکیں۔

نتائج تحقیق:

زیر نظر مقالہ سے حاصل کردہ تحقیقی نتائج درج ذیل ہیں:

۱۔ اورنگ زیب برصغیر کا سب سے بڑا بادشاہ صرف اس لحاظ سے نہیں کہ اس کے قبضہ میں سارا ملک تھا بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اخلاق، عادات، حکومتی ذمہ داری اور عوام پروری کے لحاظ سے بھی وہ ایک نمایاں حیثیت کا مالک ہے۔

۲۔ ہندو اور عیسائی افراد کو ہندوستان میں دور عالمگیر میں اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی حتیٰ کہ شراب خوری صرف مسلمانوں کے لیے منع تھی اوروں کو پینے کی آزادی تھی۔ عیسائیوں کے معبد خانے دار الحکومت میں تھے اور وہ بلا روک ٹوک مذہبی فرائض ادا کرتے تھے۔ ہندو اپنے مندروں میں چاہے جو کریں کوئی پُرسش نہیں کی جاتی تھی ان کے توہمات اور وساوس میں مطلق دخل اندازی نہیں کی جاتی تھی۔

---

[51] قاضی جاوید، **پنجاب کے صوفی دانشور**، (لاہور: نگارشات ٹیمپل روڈ، ۱۹۹۵ء)، ۱۶۹۔

۳۔ گو اورنگ زیب عالمگیر مذہب کو بڑی اہمیت دیتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے تعصب برتتا تھا۔ اس نے صرف انہی ہندووانہ رسوم کو مٹانے کی کوشش کی جو معاشرے میں خرابی کا باعث بنتی تھیں۔ جیسا کہ ستی کی رسم کی روک تھام کے لیے دورِ عالم گیری میں جو رویہ اختیار کیا گیا۔

۴۔ اورنگزیب نے ہندوؤں پر دوبارہ جزیہ لگانے کے علاوہ نئے مندر بنانے پر بھی پابندی عائد کر دی تھی، مگر پرانے مندروں کے لیے اس نے اعانت کے طور سے جاگیریں منظور کر دیں تاکہ غیر مسلموں کو اپنے مذہبی رسومات کی ادائیگی میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ نئے مندروں کی تعمیر پر پابندی عالمگیر کا مذہبی تعصب نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ پرانے مندروں کی مالی اعانت منظور نہ کرتا۔ یہ صرف شاہی خزانے کو مزید بوجھ سے بچانے کے لیے ایک قدم تھا۔

۵۔ اورنگ زیب عالمگیر نے عملاً اپنے پیشرو بادشاہوں کے مقابلہ میں جن میں اکبر بھی شامل تھا، ملکی نظم و نسق کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے معقول اور قابل ہندوؤں کو اعلیٰ مناصب پر زیادہ تعداد میں مقرر کرتا تھا۔ اکبر کے دور میں صرف ایک ہندو ہفت ہزاری تھا جبکہ اورنگ زیب کے دور میں تین ہندو ہفت ہزاری منصب پر فائز تھے۔

۶۔ عالمگیر نے قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر مذہب و ملت کے فرق کے بغیر راجا رتن سنگھ کے بڑے بیٹے کو مالوہ کی ریاست (سنیاڑ) عطا کی۔ رائے سنگھ راہور اور گناتھ کو راجا کا خطاب، خلعت، ایک لاکھ روپیہ نقد اور جواہرات دیئے۔ سبھاجی کو جو سیواجی کا بیٹا تھا ایک بلند منصب عطا کیا۔ راجا جسونت سنگھ، راجا جے سنگھ، کنور لعل سنگھ راگھوجی اور بشن سنگھ وغیرہ کو مغلیہ افواج کے جنرل، کرنل اور صوبیدار بنا دیا۔

۷۔ گو عالمگیر نے ہندوؤں پر دوبارہ جزیہ عائد کیا لیکن اس ذیل میں اور بہت سے ٹیکس ختم کر دیئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ ایک ٹول ٹیکس تھا جس کو ادا کرنا ہر ہندو پر لازم تھا غلط ہے۔ چودہ سال تک کے تمام ہندو لڑکے اور لڑکیاں جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ البتہ ایسے پجاریوں کو ضرور جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جن کے پاس وقف وغیرہ کی کثیر آمدن ہوا کرتی تھی۔ سرکاری ملازمین سے چاہے وہ کسی محکمے سے تعلق رکھتے ہوں جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ جزیہ صرف ایسے برسرِ روزگار ہندوؤں وغیرہ سے لیا جاتا تھا جو تندرست اور جوان ہوتے تھے۔